

## ساختیات کی لسانیاتی بنیادیں .

عجب ہے کہ یہ اعزاز فلسفے کی کسی شاخ کو نہیں، بلکہ جدید لسانیات کو حاصل ہوتا تھا کہ وہ 'تجربیت'۔ مثالیات کی ان بنیادوں کو چیلنج کرے جو فلسفے نے دنیا اور زبان کے تصورات کے بارے میں قائم کر رکھی تھیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جب سوسینر نے اپنے خیالات کو پیش کیا (وفات ۱۹۱۳ء) تو اسے یہ یقین تھا کہ ایک دن دنیا میں سیما لوجی (نشانات) یعنی ترسیل معنی کا وسیع تر ضابطہ علم وجود میں آئے گا، لسانیات جس کا ایک حصہ ہوگی، لیکن اس کو شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے خیالات کے اثرات اتنے دور رس ہوں گے کہ زبان، انسان اور کائنات کے رشتوں کی نیچ ہی بدل جائے گی، اور نہ صرف فلسفہ اور ادبیات بلکہ متعدد دوسرے ضابطہ ہائے علم بھی ان کے نتائج سے متاثر ہوں گے، اور بہت سے قدیم اور رائج مفروضات کا رد لازم آئے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ لسانیات جس کو کبھی فامض اور عمیر الفہم ضابطہ علم سمجھا جاتا ہے، آج وہ سماجی اور ثقافتی سائنسوں میں مرکزی مقام رکھتی ہے:

"Linguistics once a recondite area of enquiry now occupies a central position within the social and cultural sciences" Bennett, p.4)

طریق کار کی سطح پر، سوسینر کے رہنمایانہ اور بنیاد گذار کام نے انسانی تحقیق و جستجو کے ان تمام شعبوں اور ان علوم کو گہرے طور پر متاثر کیا ہے جن میں زبان یا ثقافت کا عمل دخل ہے۔ اگرچہ سوسینر کے خیالات کے مضمرات ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئے، اور یہ سلسلہ بنور جاری ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان خیالات کا سب سے زیادہ اثر ادب نے بہ طور زبان کے علامتی نظام

\* ساختیات، پس ساختیات اور شرقی شعریات، لاہور، ۱۹۹۳ء

کے قبول کیا ہے۔

ساختیات کے بنیادی اصول سوئیٹر کے خیالات پر مبنی انسانیات سے ماخوذ ہیں۔ سوئیٹر (Ferdinand de Saussure 1857-1913) ایک سوئس ماہر انسانیات تھا جس نے اپنی زندگی میں کئی بار پانچ برسوں میں ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۱ء تک جنیوا یونیورسٹی سوئٹزرلینڈ میں لیکچر دیے، جنہیں اس کے شاگردوں کے نوٹس کی مدد سے اس کی موت کے دو برس بعد ۱۹۱۶ء میں

#### Course de Linguistique Generale

کے نام سے شائع کیا گیا۔ سوئیٹر کی فرانسیسی کتاب کا انگریزی ترجمہ تو چارو پانچوں کے بعد کہیں ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا، لیکن اس ترجمے سے بہت پہلے یورپ میں سوئیٹر کے خیالات عام ہونے لگے تھے۔ زبان کے بارے میں سوئیٹر کے خیالات اس قدر مجتہدانہ اور انقلاب آفریں تھے کہ انسانیات فکر پر ان کا گہرا اثر مرتب ہوا، اور آگے چل کر یہ ساختیات اور پس ساختیات بنیاد ثابت ہوئے۔

سوئیٹر کے زمانے تک یہ تصور عام تھا کہ دنیا آزادانہ وجود رکھنے والی اشیاء سے عبارت ہے، اور ان اشیاء کی معروضی تعریف اور درجہ بندی ممکن ہے، چنانچہ حقیقت کے اس تصور کے زیر اثر زبان کے بارے میں یہ نظریہ عام تھا کہ زبان لفظوں کا مجموعہ ہے جو الگ الگ معنی رکھتے ہیں، اور جن کی آزادانہ تعریف ممکن ہے۔ سوئیٹر کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کی بصیرت نے صدیوں سے چلے آ رہے زبان کے اس تصور کو جڑ سے اکھاڑ دیا کہ زبان کوئی، جوہری، یا 'قائم بالذات' (Substantive) چیز ہے۔ اس کے بجائے سوئیٹر نے زبان کے 'نسبتی' (Relational) تصور کو پیش کیا جس نے آگے چل کر زبان کے بارے میں سوچنے کی نئی ہی بدل دی۔ سوئیٹر کا سب سے انقلابی اقدام اس کا یہ موقف تھا کہ زبان Nomenclature تسمیہ یعنی اشیاء کو نام دینے والا نظام نہیں ہے، بلکہ زبان افتراقات کا نظام ہے جس میں کوئی مثبت عنصر نہیں ہے۔ منطقی طور پر زبان اشیاء سے پہلے ہے اور اس کا کام اشیاء کو نام دینے کے بجائے ان کے تصورات میں فرق کے رشتوں کے ذریعے شناخت قائم کرنا ہے۔

سوئیٹر نے یہ دلیل یہ ثابت کیا کہ زبان کا مطالعہ فقط اس کے اجزا کو لے کر یا محض تاریخی (Diachronic) اعتبار سے نہیں کرنا چاہیے (جیسا کہ اس وقت عام رواج تھا) بلکہ ان رشتوں

کی رو سے کرنا چاہیے جن کی وجہ سے زبان کے اجزا باہم دیگر ربط رکھتے ہیں اور اصل آراء ہوتے ہیں۔ یعنی زبان کا مطالعہ ایک مربوط و وحدانی نظام (Gestaltseinheit) کے طور پر کرنا چاہیے۔ نیز چونکہ زبان کا وحدانی نظام وقت کی کسی ایک سطح پر 'خود کفیل' ہوتا ہے (جس کو ہم ہر روز ہر دستے اور محسوس کرتے ہیں) اس لیے زبان کا مطالعہ 'حاضر وقت' کی سطح پر ممکن ہے۔ حاضر وقت کے مطالعے کو سوئیٹر "Synchronic" مطالعہ کہتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ حاضر وقت کا مطالعہ ہی سائنسی مطالعہ ہو سکتا ہے۔

سوئیٹر کا زبان کے ایک زمانی مطالعے پر زور دینا نہایت اہم ثابت ہوا، کیونکہ اس نے زبان کی تاریخی جہت کے علاوہ زبان کے حاضر ساختی نظام کے اعتراف کی راہ کھول دی۔ مارکسی مفکر فریڈرک ہیمسن کا کہنا ہے کہ سوئیٹر کی ذہانت اور وجود طبع کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے یہ اصرار کیا کہ زبان کا کلی نظام ہر لمحے میں مکمل ہے، خواہ ایک لمحہ پہلے ہی اس میں کوئی تبدیلی کیوں نہ ہوئی ہو، زبان کے تاریخی ارتقا سے قطع نظر زبان وقت کے ہر لمحے میں ایک کلی نظام رکھتی ہے جس کی رو سے وہ ہر وقت بولی اور سمجھی جاتی ہے، نیز قطع نظر اس سے بھی کہ زبان بولنے والے زبان کی سابقہ تاریخ کا یا تاریخی تبدیلیوں کا شعور رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔

سوئیٹر زبان کی کارکردگی کو سمجھنے کے لیے زبان کا تصور دو طرح سے کرتا ہے۔ ایک کو وہ Langue کہتا ہے، دوسرے کو Parole۔ ان دونوں میں سوئیٹر نے جو جدلیاتی رشتہ قائم کیا ہے، وہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اور آگے چل کر وہ جدید انسانیات کی ترقی میں بالعموم اور ساختیات کی ترقی میں بالخصوص مدد و معاون ثابت ہوا۔ بقول سوئیٹر Langue اور Parole میں فرق یہ ہے کہ زبان کا جامع نظام (جو زبان کی کسی بھی فی الواقعہ (Actual) مثال سے پہلے موجود ہے) Langue ہے اور تکلم یعنی بولے جانے والا کوئی بھی واقعہ Parole ہے جو زبان کے جامع نظام Langue کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا اور اس کے اندر خلق ہوتا ہے۔ Langue کا تصور سماج میں رچا بسا ہوا ہے، یعنی اس سے کسی بھی سماج میں زبان کے تمام بولنے والے (غیر شعوری طور پر) (پر کسی) استفادہ کرتے ہیں، اور اس کے بغیر کوئی بھی زبان نہیں بول سکتا۔ Parole زبان کے جامع نظام کی محض انفرادی مثال ہے جو کسی فرد واحد کے تکلم یعنی بول چال میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ گویا Langue زبان کا جامع تجریدی نظام، اور Parole اس کی وہ محدود انفرادی شکل جو

زبان بولنے والے کے نظم (Speech) میں ظاہر ہوتی ہے۔

ان دونوں کا فرق سوہجر کے فلسفہ زبان کا گلیڈی نکتہ ہے اور اس کے متعلق دور رس ہیں۔  
 ان سے کہہ سکتے ہیں کہ سوہجر اور سوہجہ جس کو عرف عام میں 'لسان' کہتے ہیں، یعنی لسانی قواعد و ضوابط و روایات کو وہ جامع ذاتی تصور جس کی رو سے ہم کسی لسانی سماج میں ترسیل و ابلاغ کا کام لیتے ہیں۔ سوہجہ Parole روزمرہ کا نظم ہے، یعنی زبان کا وہ استعمال جو زبان بولنے والا کوئی بھی فرد کرتا ہے۔ گوہجہ Langue ایک جامع تجزیاتی تصور ہے، ایک کلی ذہنی نظام جو کوئی بھی زبان رکھتی ہے، یعنی زبان کا جامع تجزیاتی تصور اور Parole اس کا حصہ ہے جو کوئی فرد کسی وقت نظم کے لیے استعمال میں لاتا ہے۔ سوہجر نے اس بات کو شطرنج کے کھیل کی مثال سے سمجھایا ہے کہ شطرنج کی کوئی بھی بازی شطرنج کے تمام اصولوں کو بروئے کار نہیں لاتا، لیکن ہر مختلف بازی ممکن اس لیے ہے کہ وہ شطرنج کے کلی اصولوں سے ماخوذ ہے۔ یعنی کھیل کے اصول اپنا کلی نظام رکھتے ہیں جو تجزیاتی طور پر سوہجہ اور سوہجہ کوئی بھی چال اس کلی نظام ہی کی رو سے چلی جاسکتی ہے۔ گوہجہ شطرنج کے کھیل کا کلی نظام Langue سے مشابہ ہے اور شطرنج کی ہر بازی Parole ہے۔ ایک تجزیہ ہے اور سوہجہ سوہجہ ہے۔

parole دراصل آئس برگ کا اوپری سرا ہے۔ جو سطح سمندر پر تیرتا رہتا ہے، اور جس کو ہم دیکھ سکتے ہیں اور Langue من جیٹ انجمنوں عرف کا دو بھاری بھر کم تو وہ ہے جو اوپری سرے کو تو سنہا لے رہتا ہے، لیکن خود دکھائی نہیں دیتا۔ اس حقیقت کے شعور نے کہ زبان ایک مجرد نظام ہے جو کلی حیثیت سے نہیں ایک جگہ نظر نہیں آتا، لیکن انفرادی نظم میں تجویز ابیت ظاہر ہوتا رہتا ہے، یہ لسانیات کے آئس برگ سر کی راہ کا تعین کر دیا۔ وہ یہ کہ زبان کے اس کلی تجزیاتی نظام کو جس کی رو سے انفرادی نظم ممکن ہوتا ہے دریافت کر کے اس کے اصولوں کو منضبط کرنا چاہیے یا نوام چوسکی کی اصطلاح میں لسانی 'ابیت' (Competence) کے نظام کا پتہ چلائے چاہیے جو تمام انفرادی لسانی کارکردگی (Performance) کا سرچشمہ ہے۔ انفرادی نظم اور اجودہ کچھ نقطہ وسط اور متوسط (Heterogeneous) ہوتا ہے جبکہ جامع تجزیاتی نظام مکمل اور مربوط (Homogeneous) ہوتا ہے۔ یہ گویا اس کا ثبوت ہے کہ جامع تجزیاتی نظام ساخت (Structure) رکھتا ہے۔

اس فکر کے نتائج بہت اہم ثابت ہوئے۔ چارلس فریز کا کہنا ہے کہ سوہجر نے نظموں کے ذریعے سمجھے جانے والے (Word-centered thinking) تصور زبان کو میٹھ کے لیے بدل کر رکھ دیا اور اس کی جگہ زبان کے 'نسبی' اور ساختیاتی تصور نے لے لی۔ زبان میں اگر کسی چیز کی فی ثقل کوئی اہمیت نہیں، اور اہمیت قائم ہوتی ہے اس رشتے کی رو سے جو کسی چیز زبان میں دوسرے اجزاء سے ہے تو اس سے زبان کے بارے میں سوچنے کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ یہ بات اصوات کی مثال سے واضح ہو جائے گی۔

آوازوں کی بنیادی صوتی سطح کے بارے میں غور کریں تو طرطوط کی اونچی نیچی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اگر آوازوں کو زبان کے اجزاء کے طور پر لیں تو معلوم ہوگا کہ جو چیز ان کو باہمی بناتی ہے وہ ان میں اور دوسری آوازوں میں فرق کا رشتہ ہے، نہ کوئی نظم ان آوازوں کی اپنی کوئی صفت۔ گویا زبان میں آوازیں قائم بالذات نہیں، قائم بالظہر ہیں۔ یا یہی فرق کا رشتہ تضادات (Oppositions) کے نظام کو قائم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ 'جال' اور 'چال' میں صرف ابتدائی آواز میں جو فرق ہے اس سے دونوں لفظوں کے معنی مختلف ہو گئے ہیں۔ پس ثابت ہے کہ معنی ساختیاتی طور پر اس فرق میں ہے جو ایک آواز کا دوسری آواز سے ہے۔ گویا اردو میں 'ج' اور 'چ' میں تضاد (Opposition) ہے اور اسی تضاد کی وجہ سے یہ دونوں اردو کی مفرد 'ج' اور 'چ' (Significant) آوازیں ہیں جو معنی پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ (بجائے، بچانے، بچانے، بچنے)

لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہر وہ تضاد جو زبان میں ملتا ہے وہ مفرد نہیں ہے۔ زبان بہت سے تضادات کو نظر انداز بھی کر دیتی ہے اور درحقیقت نسبتاً تجویز سے تضادات کو تسلیم کرتی ہے اور ان سے لفظ بنانے اور معنی پیدا کرنے کا کام لیتی ہے۔ زبان جن تضادات کو خواہو وہ کیسے ہی فرق پر مبنی کیوں نہ ہوں تسلیم نہیں کرتی، انہیں 'دو' ملے جلتے' کے کھاتے میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً 'رحمت، رحمت'، 'وصد' میں پہلے زبرد کی آواز (جو حقیقت مصوتہ ہے) اردو میں دو طرح کی بولی جاتی ہے، یعنی 'ا' لے کے ساتھ بھی اور اس کے بغیر بھی، یا 'یہ' میں زبرد کی آواز اور 'وہ' میں چش کی آواز اور 'وہ' اور 'مندی' میں فرق کے ساتھ بولی جاتی ہے یا 'کہنا' اور 'سنا' کا 'ن' اور 'س' کے فرق اور 'مندی' اور 'مندی' کے مشرقی اصطلاح میں 'ا' لگے 'ا' لگے سنائی دیتا ہے، لیکن اردو زبان آوازوں کے اس باہمی فرق کو تسلیم نہیں کرتی، اس لیے کہ ان آوازوں کو 'ا' لے سے بولا جائے یا اس کے بغیر اس سے



معنی کا فرق لازم نہیں آتا۔ اس اصطلاح کا وہ فرق جس سے معنی کا فرق لازم نہیں آتا، منفرد (Significance) نہیں ہے۔

دراصل یہاں ہم جو چیز دیکھ رہے ہیں، وہ ساخت کا فعل ہے جو مختلف اجزاء کے مجموعہ، بقول معنی اور کلمات میں نظم اور وحدت پیدا کرتا ہے۔ ہر پر ہم نے دیکھا کہ آوازوں میں جو فرق پایا جاتا ہے، وہ فرق اس کا ہے کہ وہ دل (رمت / رمت) / رمت یعنی فرق صوتی سطح پر واقع تو ہوتا ہے لیکن اسے معنی کا فرق لازم نہیں آتا۔ یہ فرق زبان کی ساخت میں داخل نہیں۔ دوسرے (جال / جال) جس سے معنی کا فرق لازم آتا ہے، گو زبان اس فرق کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ فرق زبان کی ساخت میں داخل ہے۔ لہذا زبان کی صوتی ساخت مہارت ہے ان منفرد آوازوں سے (شمول ان کے رشتوں کے) جس سے معنی کا فرق لازم آتا ہے۔

زبان کا یہ طریقہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا، اس کی دو خصوصیات ہیں: اول یہ کہ یہ خود مختار (Arbitrary) ہے اور دوسرے یہ کہ منظم (Systematic) ہے۔ خود مختار اس لیے کہ یہ خود نہیں ہے اور اپنا جواز آپ ہے۔ مثلاً اگر ہم اس امر کے خلاف اپیل کرتا چاہیں کہ (جال / جال) کا فرق باہمی کیوں ہے اور (رمت / رمت) کا فرق باہمی کیوں نہیں، تو زبان سے باہر کوئی خارجی طاقت اس میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ زبان میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے اپنے ماستر قوانین کی رو سے ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ زبان منظم اس لیے ہے کہ یہ جن رشتوں اور اصولوں کے نظام پر قائم ہے وہ محکم ہیں، مثلاً خواہ کچھ ہو 'ج' اور 'ج' سے معنی کا فرق ہمیشہ لازم آئے گا۔ کوئی دوسری طاقت اس کو بدل نہیں سکتی۔ یہ اصل ہے، اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یعنی زبان کی ساخت کی رو سے زبان کے ہر چیز کی حیثیت طے ہے۔

زبان چونکہ ساخت پر مبنی ہے، اس لیے زبان کا نظام ساختیاتی (Structural) ہے۔ ساختیاتی نظام ہمیشہ ایک زمانی (Synchronic) ہوتا ہے۔ اور چونکہ زبان کے بولنے ہی اس کے منظم ہونے کا احساس ہوتا ہے، اس لیے آوازوں کے اصول یعنی فونیمی اصول زبان کے اساسی ساختیاتی اصول ہیں۔ جیسا کہ وضاحت کی گئی، ان کی بنیاد جوڑے دار فرق پر یا دورے تضادات (Binary Opposition) پر ہے۔ یہ فرق دنیا کی تمام زبانوں کا کارفرما ہے، اور آفاقی نوعیت کا ہے۔ روڈن جیکسن اور مورس ہالے نے اپنی کتاب Fundamentals of

Language, The Hague, 1954 میں ثابت کیا ہے کہ جوڑے دار تضاد سے فرق قائم کرنا بچے کے ذہن کا پہلا منطقی عمل ہے۔ گو یہ تضاد انسانی ذہن کا پہلا قدم ہے جس سے کلچر کے خیال میں ذہن کا شروع ہوتا ہے۔ جوڑے دار فرق سے امتیازات قائم کرنا اور ان سے مدد لینا انسانی کی خصوصیت خاصہ اور اس کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ واضح رہے کہ ذہن انسانی کی یہی خصوصیت ساخت کو پیدا کرتی ہے اور اس سے کام لیتی ہے۔

سو ستر اس سے بھی آگے جاتا ہے، وہ کہتا ہے زبان صرف لفظوں کے ذریعے عمل آرا نہیں ہوتی، زبان کام کرتی ہے نظام نشانات (System of Signs) کی رو سے، لفظ جس کا اصل نظر آنے والا سرائیں۔ یہ نظام نشانات، تجربی ہے، اور لسانیات کا کام اس نظام نشانات کے اصولوں اور کلیوں کو دریافت کرنا یعنی زبان کی کلی ساخت کو دریافت کرنا ہے۔

نشان (Sign) کو اس دورے رشتے کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے، جو اس کے 'صوتی امیج' اور 'تصور' کے سچ میں ہے۔ نشان ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ سو ستر نشان کے اس دورے رشتے کو Signifier اور Signified کا نام دیتا ہے۔ یعنی صوتی امیج، معنی نما، ہے اور تصور 'معنی' ہے۔ لفظ 'شجر' کے 'صوتی امیج' اور 'شجر' کے 'تصور' میں جو ساختیاتی رشتہ ہے، وہ 'لسانی نشان' کی تشکیل کرتا ہے۔ بقول سو ستر 'زبان نشانات کا نظام ہے جو تصورات کو ظاہر کرتے ہیں۔

یہاں ایک اور اہم بات کی طرف بھی توجہ ضروری ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زبان خود مختار ہے، یعنی لفظ، کی اصوات اور اس کے تصور میں اور اس شے میں جو زمین سے اُٹتی ہے اور جس میں ٹہنیاں اور پتے ہوتے ہیں، کوئی 'فطری' رشتہ نہیں۔ لفظ 'شجر' میں یا اس کی کسی صوت میں درخت کی کوئی خصوصیت نہیں، اور نہ اس لفظ کا یہ تصور کسی خارجی قوت کی رو سے طے ہوا ہے۔ 'شجر' کو یہ معنی زبان کی ساخت نے دیے ہیں۔ زبان کی خود مختاریت درحقیقت زبان کی ساخت کو قائم کرتی ہے، اور اس کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ ساخت اپنے آپ کو وضع کرنے اور قائم کرنے والے قوانین کا مجموعہ ہے اور یہ قوانین حسب ضرورت تشکیلات (Transformations) اور تراکیب اور کالے خلق کرتے ہیں۔ غرض زبان اپنی حقیقت خود ہے۔

سو ستر مزید کہتا ہے کہ زبان میں، معنی نما، اور تصور معنی، کا ناقابل تقسیم رشتہ یعنی شیز کے صوتی امیج سے مراد شیر ہی کا تصور ہے، گائے، بھینس، بکری، یا کوئی اور جانور نہیں، یہ وابہ پیدا کرتا





ساختیات۔ ایک تعارف

(Finite) تعداد پر۔ یہ تعجب خیز ہے کہ ہم محدود لفظوں اور ان کے محدود رشتوں کی مدد سے روزمرہ گفتگو میں تکلم کے لامحدود جملوں کو خلق کرتے ہیں، اور کرتے رہیں گے۔ محدود سے لامحدود کی تخلیق کیونکر ممکن ہے۔ بقول سوسنر اس لیے کہ زبان کے اصول اس کی شناخت ہیں، اور ہر شکل اس ساخت سے خلق ہوتی ہے، اور یوں زبان کا تعادل جاری رہتا ہے۔

زبان میں ہر چیز چونکہ رشتوں پر مبنی ہے، ان رشتوں کی دو خاص جہات کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ سوسنر ان کو دو اصطلاحوں کو مدد سے سمجھاتا ہے۔ ایک کو وہ "Syntagmatic" افقی رشتہ کہتا ہے، اور دوسرے کو "Paradigmatic" عمودی رشتہ کا نام دیتا ہے۔ اتنا معلوم ہے کہ زبان وقت کے محور پر بولی جاتی ہے، کلمے میں لفظ ایک کے بعد ایک آتے ہیں، یعنی ملوثی طور پر باری باری (Sequential) وارد ہوتے ہیں۔ یہ لفظوں کا افقی رشتہ ہے جو پہلے آنے والے اور بعد میں آنے والے لفظوں سے مل کر قائم ہوتا ہے۔ اس سے جو نئی ترتیب بنتی ہے، وہ زبان میں معنی پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر اس جملے میں: 'حامد نے رضیہ کو دیکھا' جیسے جیسے ایک کے بعد ایک لفظ ترتیب سے آتے ہیں، معنی خاص ہوتے جاتے ہیں، اور جب تک آخری لفظ نہیں آتا، معنی مکمل نہیں ہوتے۔ یہ لفظوں کی افقی یعنی نحوی جہت ہے۔

لیکن زبان میں لفظ کا ان لفظوں سے بھی رشتہ ہوتا ہے جو کلمے میں واقع نہیں ہوئے، لیکن ہو سکتے تھے۔ زبان میں ہر لفظ کا ایسے سیکڑوں میں مماثل لفظوں سے رشتہ ہوتا ہے۔ یہ مترادف، متضاد یا ملتے جلتے ہو سکتے ہیں، جو زبان کی ساخت میں مماثل صرفی و نحوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں کا کلمے میں وارد نہ ہونا بھی معنی قائم کرنے میں عمل آرا ہوتا ہے، مثلاً مندرجہ بالا جملے، حامد نے رضیہ کو دیکھا میں لفظ 'دیکھا' کی معنویت اس بات سے بھی ملے ہوئی ہے کہ یہاں 'دیکھا' کے بجائے 'روکا'، 'لٹکا'، 'مارا' یا 'چپا' نہیں ہے۔ غرض جس طرح لفظوں کی افقی ترتیب سے معنی پیدا ہوتے ہیں، لفظوں کے وقوع اور عدم وقوع سے بھی معنی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ لفظوں کی مماثل جہت ہے۔ سوسنر اس کو لفظوں کا 'عمودی رشتہ' کہتا ہے۔ گویا زبان ایک کلی نظام ہے اور ہر لفظ کے معنی اس کے ماحول سے ملے ہوتے ہیں۔

مزید یہ کہ ہر زبان کے صرفی تصورات بھی اس کی ساخت کی رو سے ملے پاتے ہیں۔ یہ فی

ساختیات کی ساختی بنیادیں

نقہ وجود نہیں رکھتے۔ اردو ہندی میں افعال کی بیسیوں شکلیں ہیں، صرف ماضی کے سیٹھی نو ہیں ہیں۔ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ایسا نہیں ہے۔ فارسی یا انگریزی میں فعل پر تہ کی تعداد سیٹھی کا کوئی اندیشہ نہیں پڑتا، اردو ہندی میں تہ کی تعداد سیٹھی سے فعل کی پوری شکل بدل جاتی ہے۔ انگریزی میں مرد اور عورت کے لیے حکم اور حاضر میں وہی ضمیریں ہیں، لیکن عاصب واحد کے لیے الگ الگ ہیں۔ اردو ہندی افعال میں تہ کی تعداد سیٹھی کو روا جاتا ہے۔ لیکن ضمیریں عورت مرد سب کے لیے ایک سی ہیں۔ ماضی، حال اور مستقبل کا فرق دنیا کی زیادہ تر زبانوں میں ہے، لیکن عبرانی میں یہ بنیادی فرق نہیں ملتا۔ اردو کے کئی صیغے حال بھی ہیں اور استقبال بھی، مثلاً میں جاتا ہوں، وہ آتا ہے۔ دونوں مفہوم میں ہیں لیکن سب زبانوں میں ایسا نہیں۔ غرض ہر زبان کے صرفی تصورات اس کی اپنی ساخت کی رو سے ملے ہوتے ہیں۔

ان نکات کی مدد سے سوسنر اس حقیقت پر اصرار کرتا ہے کہ لسانی ساختیں 'بند' خود کفیل اور اپنے قوانین کو خود ملے کرنے والی یعنی خود مختار ہوتی ہے۔ ان کی نظر انداز کی طرف ہوتی ہے، یہ خارج سے حکم نہیں لیتیں۔ زبان میں نشانات فونیم کی طرح کسی مستقل بالذات صفت کی بنا پر نہیں بلکہ رشتوں کی بنا پر اور ان امتیازات کی بنا پر عمل آ رہا ہوتے ہیں، جو فرق اور تضادات پر قائم ہیں۔ سوسنر کا مشہور قول ہے:

"In Language there are only differences without positive terms"

زبان میں صرف فرق ہی فرق ہے بغیر اثبات کے۔ (یہ وہ نکتہ ہے جس نے آج کل کرنے صرف پس ساختیات کو پیدا کیا، بلکہ دریدا ژاک دریدا کی مجتہدانہ رد تشکیل Deconstruction کی بھی بنیاد ثابت ہوا) سوسنر کا کہنا ہے کہ کسی زبان کے پاس نہ ایسی آوازیں ہیں، نہ ایسے خیال جو اس کے لسانی نظام سے پہلے کے ہوں۔ زبان میں فقط صوتی تضادات ہیں اور تصورات جو اس کے اپنے نظام کی رو سے کارگر ہیں۔ پس زبان ایک 'فارم' (Form) نیست ہے، جو ہر یا مادہ (Substance) نہیں ہے۔ یہ ساخت ہے جس کے اپنے طور طریقے (Modes) ہیں لیکن زبان الگ الگ مواد رکھنے والا مجموعہ نہیں۔ اور زبان چونکہ وہ واحد رابطہ ہے جس کے ذریعے ہم خارجی حقیقت یا دنیا کا شعور رکھتے ہیں، یہ انسانی ذہن کی مخصوص

ساخت ہے۔ شاید صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ پوری انسانی حقیقت کی مخصوص ساخت ہے۔  
سویسر کے بعد ماہرین لسانیات کی فکر نے ساختیات کو متاثر کیا، ان کی تعداد بہت زیادہ  
نہیں۔ لیکن ان کی فکر کے بعض پہلو اہم ہیں۔ یوں بھی ساختیات میں لسانیات کے تمام اصول و  
ضوابط بروئے کار نہیں لائے جاتے بلکہ جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی، خاص خاص بصیرتوں سے  
کام لیا جاتا ہے۔ یہ ہر حال وہ منظرین جنہوں نے سویسر کی بنیادوں پر لسانیاتی نظریے کو قائم کیا یا  
بعض خاص نکات کا اضافہ کیا، ان کے نام ہیں: رومن جیکسن (Roman Jakobson)  
تروتر کاٹی (N. Trubetzkoy)، لوئی ہیلیم سیلو (Louis Hjelmslev)، ایمیلی بن ونٹے  
(Emile Benveniste) اور نوام چومسکی (Noam Chomsky) درحقیقت لیون سٹراس  
جس، صوتیاتی انقلاب کا ذکر کرتا ہے، اور جس سے وہ اپنے ساختیاتی کام میں بے حد متاثر نظر آتا  
ہے۔ وہ سویسر کے بعد رومن جیکسن اور تروتر کاٹی کا لایا ہوا تھا۔ ان دونوں کے کام نے  
لسانیات کی سائنسی معروضیت کو قطعی طور پر قائم کر دیا۔ اصوات کے انبار میں ان آوازوں کی  
تفصیل کرنا جو زبان کے معنیاتی نظام کا تعین کرتی ہیں، اور یہ کہ امتیازی ”صوتیاتی عناصر“ کس طرح  
مل کر لفظ اور جملے وضع کرتے ہیں، تروتر کاٹی نے اس راہ کے بہت سے کانٹے نکالے۔ صوتیاتی  
نظام کی مثال اس لیے اہم تھی کہ یہ بالکل سائنس کا منظر تھی، اور اس کی رو سے حقیقت کا حتمی طور پر  
اثبات ممکن تھا کہ معلومات (حقائق) کے لامتناہی انبار سے مجرد امتیازی اصولوں کو اخذ کیا جاسکتا  
ہے، نیز تفریقی رشتوں کی مدد سے ان کے تفاعل کے مجرد نظام کو بھی سائنسی طور پر قائم کرنا ممکن  
ہے۔ ملاحظہ ہو: (Principes de phonologie, Paris 1949)

ہیلیم سیلو (Hjelmslev) اور کوپن ہیگن اسکول نے لسانیاتی نظام کی تجربی نوعیت پر  
مزید زور دیا۔ ہیلیم سیلو نے ثابت کیا کہ صوتی یا تحریری مواد کے بغیر بھی لسانیاتی نظام کی کارکردگی کو  
ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اس نظریے کو Glossematics کہتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ قبل تجزیاتی  
طور پر یہ تھیس ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ہر عمل (Process) سے مطابقت رکھنے والا ایک نظام  
(System) ہوتا ہے جس کی مدد سے اس عمل کا تجربہ کیا جاسکتا ہے اور اس کے مقدمات  
(Premise) معلوم کیے جاسکتے ہیں:

Prolegomena to a theory of language, Madison 1961

آج سے چل کر ساختیات کے طریق کار پر اس اصول موضوعہ (Axiom) بہت اثر پڑا۔  
ہیملی بن ونٹے کی کتاب Problems de linguistique generale Paris 1966  
اگرچہ بعد میں شائع ہوئی، اس کے بعض مضامین کا علمی حلقوں میں بہت پہلے سے چرچا  
تھا، یوں تو اس نے نشان اور رشتوں کی سطحوں پر بھی گہرا کام کیا، لیکن اس کے جس کام سے  
ماہیات کی فکر نے اثر قبول کیا، اور جس کا حوالہ ساختیاتی تحریروں میں اکثر آتا ہے، وہ شخصی منظر اور  
فصل کے مضمون کی بحث ہے۔

آخری اور اس عہد کا سب سے بڑا نام نوام چومسکی کا ہے۔ اگرچہ چومسکی تفصیلی گرامر یا  
تخلیقی گرامر (Syntactic Structures, the Hague, 1957) کا کوئی براہ راست اثر  
ماہیات نے قبول نہیں کیا، لیکن تجربی قطعیت اور سادگی کے اعتبار سے چومسکی کا کارنامہ مثالی  
نوعیت کا ہے۔ چومسکی کا ”اہلیت“ (Competence) اور ”کارکردگی“ (Performance) کا  
نظریہ جو زبان بولنے والے کے ذہن و شعور کے داخلی اصولوں پر مبنی ہے، اس کو جو تھن کلر نے  
ماہیاتی شعریات کا نظام وضع کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، اور اسے سویسر کے لاگ اور  
پارول کے تصور پر ترجیح دی ہے، کیونکہ بمقابلہ لاگ کے ”اہلیت“ کا تصور بولنے والے کے تصور  
سے جڑا ہوا ہے۔ کلر کہتا ہے کہ متن کے لکھے جانے (تحلیق کرنے) کے اصولوں کا تعین نہیں ہو سکتا،  
لیکن متن کے پڑھے جانے کی شعریات کا تعین ہو سکتا ہے، اور اس شعریات کی تعمیر کی بنیاد کلر نے  
چومسکی کے نظریہ اہلیت پر رکھی ہے۔

یہاں آخر میں اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ سویسر کے فلسفے کی رو سے ”زبان اور سماج“ اور  
زبان اور آئیڈیولوجی، میں کیا رشتہ ہے، نیز سویسر کے تصور لسان کے تحت حقیقت نگاری پر کیا  
سوال قائم ہوتا ہے، یہاں مختصر اشارہ کیا جاتا ہے۔ سویسر زبان کے سماجی حقیقت ہونے پر اصرار  
کرتا ہے۔ اس کا کہنا کہ فقط ایک سماجی گروہ ہی نشانات کو خلق کر سکتا ہے۔ زبان اول و آخر ایک  
سماجی معمول ہے۔ ”معنی نما“ اور ”تصور معنی“ کی ہم رشتگی خواہ ظاہر نہ ہو، لیکن یہ عمل لسانی سماج کے  
انداز ہوتا ہے۔ کوئی بھی سماج بغیر زبان کے علامتی نظام کے قائم ہو ہی نہیں سکتا، نہ ہی اس کے ذرائع  
پیداوار، رہن، بہن، یا اداروں کا کوئی تفاعل زبان کے بغیر ممکن ہے۔ بقول سویسر زبان اسی وقت  
وجود میں آ جاتی ہے جب سماج وجود میں آتا ہے۔



ماہیات کی سائنسی ماہیات

مارکسی مفکر لوئی الٹھم سے نے سوئزر اور لا کاں کے خیالات کی بنیاد پر یہ بحث اٹھائی ہے کہ زبان جس حد تک تجربے کا اظہار کرتی ہے، وہ آئیڈیولوجی میں لازماً شریک ہے، اور آئیڈیولوجی ان طور طریقوں اور وجود کی حالت سے رشتوں کا نام ہے جس کی رو سے لوگ زندگی کرتے اور سماں میں عمل آ رہے ہیں۔ فرض آئیڈیولوجی زبان کے علامتی نظام میں قائم ہے: "Ideology is in signifying practices" یعنی آئیڈیولوجی ڈسکورس میں، مضمہ میں، اور پوری لوگ روایت اور تحریری ادبی روایت میں جاری و ساری ہے۔ زبان کا علامتی نظام ہر منزل پر تضادات اور ابہام سے لبرز رہتا ہے اور تبدیلی کے تعامل کو ہمیز کرتا ہے، لیکن آئیڈیولوجی کا کردار یہ ہے کہ وہ تضادات کو باقی رہتی ہے تاکہ سماجی تشکیل کی موجودہ حالت (Status quo) برقرار رہے، اور موجود مفادات کو خطرہ لاحق نہ ہو، زبان چونکہ حقیقت کے ہمارے شعور سے پہلے موجود ہے، اس لیے جب حقیقت کے بارے میں کوئی نئی بات کہنے کی کوشش کی جاتی ہے یا زبان میں نئے معنی داخل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تو یہ عمل آسانی سے نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ زبان نئے معنی کے دخول میں براہ مہرجام ہوتی ہے۔ نئے اور اجنبی تصورات نئے اور اجنبی ڈسکورس کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے۔ پہلے سے قائم تصورات کو چیلنج کرنے کا مطلب ہے رائج ڈسکورس کو چیلنج کرنا، اور یہ عمل طولانی اور دقت طلب ہے۔

سوئزر کا مرکزی خیال جس نے زبان اور حقیقت کے بارے میں سوچنے کی نیچ ہی کو بدل دیا، جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، یہ ہے:

"Language signifies reality by bestowing a particular linguistically structured form of conceptual organisation upon it"

زبان دلالت کرتی ہے حقیقت پر ایک مخصوص تصوراتی نظم رکھنے والی فارم کے ذریعے جو لسانیاتی طور پر ساختیاتی ہوئی ہوتی ہے۔ اس تصور میں خاص بات یہ ہے کہ زبان یعنی اصوات یا الفاظ فی نفسہ چیزوں کو ظاہر نہیں کرتے، بلکہ ان کا تصور قائم کرتے ہیں۔ یا ان کے رشتوں کا تصور قائم کرتے ہیں جو یہ دوسرے لفظوں سے زبان کے اندر رکھتے ہیں۔ یعنی جن اشیا کا زبان ذکر کرتی ہے وہ اصل اشیا (Real objects) نہیں جو زبان سے باہر وجود رکھتی ہیں، بلکہ ان اشیا کا تصور

ماہیات کی سائنسی ماہیات

جو زبان کے اندر واقع ہے۔ بقول سوئزر لفظ "شیر" سے مراد حقیقی شیر نہیں ہے، بلکہ شیر کا تصور اور زبان لفظوں (معنی نما) کا تصور یا بھی مانتوں اور افتراقات کی بنیاد پر ہے۔ لفظ "شیر" اور حقیقی شیر میں فی نفسہ کوئی رشتہ ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے اس لفظ کے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ فرض معنی نما اور "تصور معنی کا رشتہ من ماما اور خود معنی رانا ہے" جو راجا زبان بولنے والوں میں قائم ہو گیا ہے۔

اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ زبان کے نشانیاتی نظام سے ہٹ کر خارج میں محسوس دنیا وجود نہیں رکھتی ہے۔ لیکن ہمیں اس کا علم ہوتا ہے، یا یہ ہمارے ادراک کا حصہ بنتی ہے زبان کی منضبط ساخت کے ذریعے جو ہمارے اور دنیا کے درمیان رابطہ بنتی ہے۔ یعنی شیر وجود تو رکھتا ہے لیکن ہمارے ادراک کا حصہ بنتا ہے اس تصور کے توسط سے جو زبان کے نظام کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

زبان کے بارے میں یہ غلط فہمی کہ زبان حقیقت کو ظاہر کرتی ہے، یا حقیقت کا عکس پیش کرتی ہے، اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ زبان کی ماہیت ہی ایسی ہے کہ شے کا تصور پیدا کرنے کے بعد یہ شے سے غائب ہو جاتی ہے، یا معدوم ہو جاتی ہے، چنانچہ یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ جس رابطے سے ہم نے شے کو پہچانا ہے، وہ شے خود نہیں تھی بلکہ اس کا وہ تصور تھا، جو زبان کے نظام کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

اس سوئزری تناظر سے ظاہر ہے کہ ادب کا وہ نظریہ جسے حقیقت نگاری کہتے ہیں، قابلِ مدافعت نہیں ہے۔ یہ دعویٰ کہ ادبی فارم حقیقت کا عکس پیش کرتی ہے جو زبان کے ذریعے قائم ہوتی ہے (Constructed in language) ظاہر ہے یہ "تکرار بالمعنی" (Tautological) ہے۔ اگر حقیقت سے ہماری مراد وہ حقیقت ہے جس کا ہم تجربہ کرتے ہیں، یعنی جو تقریبی طور پر زبان کے ذریعے قائم ہوتی ہے تو یہ دعویٰ کہ حقیقت نگاری حقیقت کا عکس پیش کرتی ہے، دراصل یہ ہوا کہ حقیقت نگاری اس دنیا کا عکس پیش کرتی ہے جو زبان کے ذریعے قائم ہوتی ہے، (Constructed in Language) ظاہر ہے یہ "تکرار بالمعنی" (Tautology) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اگر ڈسکورس تصورات کو ظاہر کرتا ہے نشانات کے نظام کے ذریعے اور لفظ جو معنی دیتے ہیں، وہ اپنے تقریبی رشتوں کے باعث دیتے ہیں، نہ کہ دنیا میں اشیا کے وجود کے



ہم تو اس کو صرف اسی طرح کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ جو اس کو اس کے اندر رکھا ہوا ہے۔ اس کی لاپرواہی  
میں سے اور اس کی طرف سے۔ ہمیں یہ قابل فہم اور حقیقت پسند اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو جان  
کرتے ہیں۔ اس کو ہم پہلے سے جانتے ہیں۔ اسی طرح مصنف کی مضمونیت بھی حقیقت کے کسی  
خاص تصور یا خاص معنی کی گواہی نہیں ہے۔ اگر خیال ان تفریقی دشمنوں سے باہر نہیں ہے جس سے  
زبان مہارت ہے تو مضمونیت کا بھی کوئی تصور زبان سے باہر نہیں ہے۔

☆☆☆

## ساختیات اور سائنس

موجودہ صدی کے دوران طبیعیات اور دیگر مختلف Disciplines میں جو پیش رفت ہوئی  
وہ ان کے اس انکشاف پر مبنی ہوئی کہ زندگی اور مادے کے جملہ مظاہر کسی ٹھوس بنیاد کے بجائے  
ساختیاتی یعنی Structure پر استوار ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ ساختیاتی سے کیا مراد ہے؟  
ساختیاتی سے مراد ڈھانچہ نہیں ہے۔ مثلاً اگر انسانی جسم کے سلسلے میں کہا جائے کہ گوشت  
کے ٹکڑوں کے نیچے ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ موجود ہوتا ہے تو یہ ساختیاتی کی نشان دہی نہیں ہوگی۔ کیونکہ  
ڈھانچہ تو ایک ٹھوس شے ہے کہ ساختیاتی ٹھوس اجزاء کے بجائے رشتوں (Relations) پر مشتمل  
ہوتا ہے۔

ساختیاتی کے چند بنیادی اوصاف یہ ہیں:

(الف) ساختیاتی اپنے عناصر یا اجزاء کی حاصل جمع کا نام نہیں۔ وہ اس حاصل جمع سے "کچھ  
زیادہ" ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کا جسم مادی عناصر ہی کا مرکب نہیں، وہ ان کے علاوہ روح کا حامل بھی  
ہے۔ لہذا ساختیاتی اپنے اجزاء کی حاصل جمع کے عقب یا پھر اس کے لبوں میں بطور ایک ساخت یا  
سistem یا کوڈ (Code) ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ علم الانسان کے باب میں لیوی سٹراس نے اس بات  
کو یوں بیان کیا ہے کہ جب ہم اسطور (Myth) کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ انکشاف ہوتا ہے  
کہ اسطور محض لاتعداد مختلف دیومالائی کہانیوں کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی حاصل جمع سے  
"کچھ زیادہ" ہے۔ افلاطون نے کہا تھا کہ کرسی سے اہم کرسی کا "خیال" ہے۔ کیونکہ اگر ایک کرسی  
ٹوٹ جائے تو کرسی کے خیال کے مطابق دوسری کرسی بنائی جاسکتی ہے لیکن اگر کرسی کا "خیال" باقی